محمد سرور

مشرقِ اوسط کے اسلامی ملک
اور
فوج کے "نظامِ جدید" کی ابتدا

نپولین کا بحری بیڑا مئی ۱۷۹۸ء کو اسکندریہ کے قریب لنگر انداز ہوا۔ اور ۲۱ جولائی ۱۷۹۸ء کو نپولین اور مصر کے حکمران ممالیک کے درمیان وہ تاریخی جنگ ہوئی جس میں ایک طرف آگ اور لوہا تھا اور دوسری طرف گھوڑا اور تلوار۔ چنانچہ نپولین کے توپ خانہ نے ممالیک کی سوار فوج کو شکست دی اور ان کے بارہ ہزار شاہسواروں میں سے صرف چار جان بچا سکے۔

۱۸۰۱ء کو فرانسیسی حملہ آور مصر سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔ ان کے بعد البانیہ کے محمد علی پاشا نے جو ترکی فوج میں ایک افسر کی حیثیت سے فرانسیسیوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اپنے حسن تدبیر سے اقتدار حاصل کر لیا۔ اور مصر میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ محمد علی جدید مصر کا بانی ہے۔ اس نے جہاں ملک میں اور بہت سی اصلاحات کیں، وہاں فوج کو بھی یورپی انداز پر منظم کیا۔ اس میں محمد علی کو اُن فرانسیسی افسروں سے بہت مدد ملی، جو نپولین کی شکست اور جلا وطنی کے بعد اپنی حکومت سے بددل ہو کر مصر آ گئے تھے۔ محمد علی نے اپنی فوجوں کو ان فرانسیسی افسروں کی مدد سے نہ صرف نئی فوجی تربیت دلوائی بلکہ ان کے لیے اسلحہ سازی کے کارخانے بھی قائم کیے۔ اور اس طرح فوجوں کا سارا سامان مصر میں تیار ہونے لگا۔ اس کے علاوہ محمد علی نے مصری بحریہ کی بھی بنیاد رکھی۔ اور مصر کے اندر اس زمانے کی ضرورتوں کے مطابق جنگی جہاز تیار ہونے لگے۔ اس نے مصری نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے فرانس بھیجا۔ ملک میں ہسپتال قائم کیے، زراعت و تجارت کو ترقی دی اور مصر میں صنعتیں قائم کیں۔

فوجوں میں "نظامِ جدید" کو بروئے کار لانے سے قبل محمد علی کو سب سے پہلے ممالیک اور

پھر خود اپنے البانوی فوجیوں سے نمٹنا پڑا۔ اور ان کا زور توڑنے کے بعد ہی وہ اس قابل ہو سکا کہ پرانے فوجی طبقوں کی جگہ نئی فوج جسے "نظام جدید" کہا جاتا تھا، وجود میں لا سکے۔ محمد علی اپنی اس نئی فوج کی بدولت اتنا طاقت ور ہو گیا کہ اس نے جزیرۂ عرب میں وہابیوں کو شکست دی، سوڈان کو فتح کیا اور ترکی سلطان محمود ثانی کے خلاف معرکہ آرا ہوا، اور اس کی فوجیں شام فتح کر کے استنبول کی طرف بڑھیں۔ اور اگر اس وقت یورپی طاقتیں بیچ میں نہ پڑتیں تو شاید ترکوں کے عثمانی خاندان کا اقتدار شاہی ہی ختم ہو جاتا۔ ۱۸۴۱ء میں انہی یورپی طاقتوں نے محمد علی کو مجبور کیا کہ وہ سلطان ترکی کی سیادت قبول کرے۔ شام و جزیرۂ عرب سے اپنی فوجیں واپس بلا لے۔ اٹھارہ ہزار سے زیادہ فوج نہ رکھے۔ اور جنگی جہاز نہ بنائے۔ مزید برآں اسے حکماً اندرون مصر وہ تمام معاشی اقدامات ترک کرنے پڑے، جن کی آمدنی سے اس نے اتنی زبردست فوج اور طاقت ور بحریہ بنایا تھا۔

غرض محمد علی کے ساتھ مصر کی فوجی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جب ۱۸۸۲ء میں برطانوی فوجیں مصر پر قابض ہو گئیں۔ تو اس کی رہی سہی فوجی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔

محمد علی کی ان تمام مہموں میں غیر معمولی کامیابی کی دو وجہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے فرانسیسی فوجی افسروں، انجینیروں، ڈاکٹروں، اور دوسرے ماہرین سے پورا فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ مثال کے طور پر ایک فرانسیسی فوجی افسر کرنل سیوے نام کا تھا۔ جس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا، اور وہ مصری تاریخ میں سلیمان پاشا کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۱۹ء میں اس کے لیے اسوان میں ایک فوجی تربیت گاہ قائم کی گئی جہاں سے تین سال کی تربیت کے بعد پہلی دفعہ فوج کے جدید فوجی افسر فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ اس کے علاوہ محمد علی نے دوسرے فرانسیسی اور اطالوی افسروں کی نگرانی میں مصر کے مختلف شہروں میں متعدد حربی مدارس کھولے اور اس طرح چند سالوں میں محمد علی اپنی ایک باقاعدہ فوج بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ ۱۸۳۹ء میں محمد علی کی فوج دو لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی، جن میں سے ایک لاکھ تیس ہزار باقاعدہ (ریگولر) افواج کے سپاہی تھے۔

محمد علی کی کامیابی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنی اس کثیر التعداد فوج اور اس کی معمول

کے مصارف پورا کرنے کے لیے زراعت کو ترقی دی۔ نیز اس میں بین الاقوامی تجارت کے فروغ کے مواقع بہم کیے۔ جب سے واسکوڈی گاما نے ۱۴۹۸ء میں یورپ سے ہندوستان جانے کا افریقہ کے اردگرد گھوم کر راستہ دریافت کیا تھا، مشرق اور مغرب کے درمیان مصر کے راستے جو تجارت ہوتی تھی، جس سے کہ مصر بڑا خوش حال تھا، بند ہو گئی تھی۔ ۱۷۹۸ء میں نپولین کے حملے نے تین صدیوں کے بعد یورپ کی نظریں پھر مصر کی طرف مرکوز کر دیں۔ چنانچہ جب محمد علی برسرِ اقتدار آیا تو اس نے مشرق اور مغرب کی بین الاقوامی تجارت کے لیے مصر سے گزرنے کی تمام آسانیاں فراہم کر دیں اور اس سے مصر کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوا۔

عثمانی ترکی

یہ عجیب اتفاق ہے کہ محمد علی جس نے مصری فوج میں "نظامِ جدید" کی طرح ڈالی، اس کی جنگ ترکی کے سلطان محمود ثانی سے ہوئی، جو ترکی میں فوج کے "نظامِ جدید" کا بانی تھا۔ محمد علی کی طرح محمود ثانی کو بھی فوجی اصلاحات کے سلسلے میں سب سے پہلے ترکی فوج کے نظامِ قدیم سے جو ینگ چری فوجی نظام تھا، نمٹنا پڑا۔ اور اسے کالعدم کرنے کے بعد ہی محمود ثانی اس قابل ہوا کہ وہ ترکی فوج کو یورپی انداز پر منظم کر سکے۔ محمود ثانی کے پیش رو سلیم ثالث نے (۱۷۹۸ء-۱۸۰۷ء) سب سے پہلے ترکی فوج کو یورپی انداز پر منظم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ینگ چری فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اسے قتل کر دیا گیا۔ دراصل محمود ثانی ہی وہ ترکی فرمانروا ہے (۱۸۰۸ء-۱۸۳۹ء) جو ترکی کو ینگ چریوں اور بے قاعدہ فوج کے قدیم نظام سے نجات دلانے میں کامیاب ہوا۔ گو اس نے ۱۸۲۷ء سے فوجی اور بحری تربیت کے لیے ترکی کیڈٹوں کو یورپ بھیجنا شروع کیا، لیکن اس کے عہدِ حکومت میں ان کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ واپسی پر ان میں سے بعض کو ان حربی مدرسوں میں "انسٹرکٹر" مقرر کیا گیا جو یورپی ماہرین کی مدد سے، جن میں زیادہ تر برطانیہ، جرمنی اور آسٹریا کے افراد تھے، استنبول کے قرب و جوار میں کھولے گئے تھے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ محمود ثانی نے ٹیکنیکل ٹریننگ کے لیے اپنے ہاں سے غیر فوجی (سویلین) افراد کو یورپ نہیں بھیجا، اور یہ اس لیے کہ اس کے سامنے ترکی کے لیے معاشی ترقی کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اور وہ یہ کہ ترکی کی تمام معیشت

پر غیر ترک عیسائی مسلط تھے۔ چنانچہ عثمانی سلطنت میں تجدیدی لائحہ عمل کا دائرہ صرف حکومت، مسلح افواج، سفارتی عہدوں، بیوروکریسی (صوبوں اور مرکزی حکومت کے اعلیٰ عہدیدار) نظام ہائے عدالت و تعلیم اور بعد میں مواصلات تک محدود رہا۔ اور معاشی نظام کو نئے زمانے کی ضرورتوں کے مطابق کرنے کی طرف توجہ نہ کی گئی۔ ۱۸۴۰ء کے بعد عثمانی معیشت کو بہتر بنانے کی ضرورت کا احساس ہوا، لیکن یہ احساس کچھ تاخیر سے ہوا کیونکہ اس وقت تک ترکی اور اسی طرح مصر کی خام اجناس یورپ کی ترقی یافتہ صنعتوں کے لیے فراہم ہونے لگ گئی تھیں۔ اور یہ معمول ہوگیا تھا کہ ان ملکوں سے یورپ کو خام اجناس مہیا ہوتیں، اور ان کے عوض وہاں سے تیار شدہ مصنوعات آتیں۔ یورپی ملکوں نے عثمانی سلطنت پر دباؤ ڈال کر اپنے لیے یہ مراعات حاصل کی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عثمانی سلطنت میں اور اس سے زیادہ مصر میں ملکی صنعتیں وجود میں نہ آسکیں۔ اور ملکی صنعتوں کے عدم وجود سے ان ملکوں میں متوسط طبقوں کا پیدا ہونا رک گیا۔ چنانچہ وہ کام جو ترکی کے متوسط طبقوں کو کرنا تھے، وہ غیر مسلم اقلیتوں اور ترکی میں آباد یورپی آبادیوں نے، جن کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا، سر انجام دیے۔ اس طرح عثمانی سلطنت میں معاشی اصلاحات کے نہ ہونے سے ایجاد و انکشاف کا دروازہ بند ہوگیا۔ اور ۱۸۷۰ء تک نیا شہری تعلیم یافتہ طبقہ تمام کا تمام صرف فوجی اور سول افسروں، سفیروں اور اساتذہ تک محدود رہا۔ اور یورپی ملکوں کی طرح وہاں تاجر اور صنعت کار آگے نہ آسکے۔ نہ صرف ترکی کی عام زندگی کی بلکہ اس کے فوجی نظام جدید کی بھی یہ سب سے بڑی کمزوری تھی۔

محمود ثانی کی ایک بدقسمتی یہ تھی کہ اسے یورپی طاقتوں نے اپنے اصلاحات کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہ دیا۔ اور اس دوران میں اس کو داخلی اور خارجی ہر دو خطرات سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود محمود ثانی نے ۱۸۲۷ء میں فوج کی پچیس باقاعدہ رجمنٹیں تیار کرلیں، جن کی نفری چالیس ہزار تھی۔ اور اتنی ہی تعداد میں اس کے پاس ریزرو فوج بھی تھی۔ اس نے اپنے بحریہ کی بھی توسیع کی۔ اور اس کے عہد حکومت کے اواخر میں ترکی کے پاس جنگی بحری جہاز روس کے بحر اسود کے بیڑے کے برابر تھے۔

استنبول کے قرب و جوار میں جو حربی مدرسے تھے، ۱۸۴۶ء میں انھیں ملا کر "مکتب حربیہ" کی تشکیل کی گئی۔ اور ۱۸۵۹ء میں سول افسروں کی تربیت کے لیے "مکتب ملکیہ" قائم کیا گیا۔ اول الذکر مکتب سے شروع میں ہر سال پچیس کیڈٹ فارغ التحصیل ہوتے۔ اور صدی کے آخر میں ان کی تعداد پانچ سو سالانہ تک پہنچ گئی۔ مکتب ملکیہ سے ۱۸۶۱ء میں تینتیس افسر نکلے اور پچیس سال بعد ان کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی۔ غرض مسلح افواج اور سول نظم و نسق کے لیے تو بے شک عثمانی حکومت کو تربیت یافتہ افسر ملنے لگ گئے۔ لیکن زراعت، تجارت اور صنعت میں کوئی ترقی نہ ہوئی۔ اس لیے جیسے جیسے ترکی افواج کی تعداد اور ان کے اسلحہ میں اضافہ ہوتا گیا، عثمانی سلطنت یورپی ملکوں کی زیادہ محتاج ہوتی گئی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ترکی کو جو ہتھیار اور جنگی جہاز ملتے قبل اس کے کہ وہ استعمال میں آتے، یورپ میں ان سے اعلیٰ ہتھیار اور جنگی جہاز ایجاد ہو جاتے۔ اور اس طرح ترکی کے یہ اسلحہ پرانے ہو کر بے کار ہو جاتے۔

۱۸۷۷ء-۱۸۷۸ء میں جب ترکی کی روس سے جنگ ہوئی تو ترک ساڑھے سات لاکھ فوج میدان میں لا سکتے تھے۔ سلطان عبدالعزیز نے بحریے کی ترقی اور توسیع کی طرف خاص توجہ کی۔ چنانچہ اس کی حکومت کے آخری دنوں میں ترکی بحریہ دنیا میں تیسرا زبردست بحریہ تھا۔ لیکن اس سے ترکی کو کوئی زیادہ فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ بحری جہازوں کے نئے سے نئے ماڈل آرہے تھے اور ترکی کے پاس اپنا کوئی ڈاک یارڈ نہ تھا، جہاں جدید ماڈل کے جنگی جہاز بن سکتے۔ مجبوراً اسے یورپی ملکوں سے جہاز خریدنے پڑتے۔ جو نئے آتے وہ پرانے ہو جاتے۔ اس سے ترکی خزانے پر بار تو پڑتا لیکن اس سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوتا۔

گو سلطان عبدالحمید (۱۸۷۸ء-۱۹۰۸ء) نے پورے تیس سال تک مستبدانہ حکومت کی۔ لیکن اس کے زمانہ میں بھی مسلح افواج، بیوروکریسی اور سفارتی سروس میں برابر تجدید ہوتی رہی۔ چنانچہ وہ جونیئر فوجی افسر جنھوں نے ۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹا، مکتب حربیہ ہی کے فارغ التحصیل تھے۔

بے شک پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) کے اختتام پر عثمانی سلطنت کے پاس جدید طرز کی فوج اور بحریہ تھا۔ لیکن اس سلسلے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ عثمانی فوجی طاقت خود اپنے آپ پر

اعتماد کر سکتی تھی۔ کیونکہ بھاری اسلحہ اور جنگی جہازوں کے لیے باب عالی (ترکی حکومت) پہلے سے کہیں زیادہ یورپ کا محتاج ہو گیا تھا۔

مختصراً معاشرتی تبدیلی، معاشی ترقی، اور صنعتوں کے قیام و فروغ کے بغیر جدید سے جدید طرز کی فوج اور اسلحہ ترکی کے زیادہ کام نہ آئے، بلکہ ان کے مالی بار نے ترکی کی معاشی حالت اور بھی خراب کر دی۔

ایران

ایران کو بھی ترکی کی طرح اپنے بچاؤ اور بقا کے لیے اپنی افواج یورپی انداز پر منظم کرنا پڑیں۔ ایران برطانیہ اور روس دونوں کی توسیع پسندی کا نشانہ بن رہا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں جب ان دونوں ملکوں کا ایران کو آپس میں بانٹنے کا فیصلہ ہو گیا تو ایران کا تخت و تاج خطرے میں پڑ گیا تھا۔ انیسویں صدی تک شاہان ایران قبائلی لشکروں پر بدستور انحصار کرتے رہے، اور یہی فوج کو جدید خطوط پر نئے سرے سے منظم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔

ایران میں یورپی انداز پر فوج کو منظم کرنے کی ابتدا ولی عہد سلطنت عباس مرزا نے کی۔ یہ انیسویں صدی کی پہلی تہائی میں ہوا۔ عباس مرزا آذربائیجان کے گورنر تھے۔ انھوں نے تبریز میں ایک فوجی مرکز قائم کیا۔ اگرچہ ایران کی جدید فوج کو روس سے اپنے ملک کا بچاؤ کرنا تھا، لیکن اس کے باوجود اس جدید فوج کی تربیت کے لیے ولی عہد نے شروع میں روس ہی سے "انسٹرکٹر" درآمد کیے۔ ۱۸۰۷-۱۸۰۸ء میں ایک مختصر عرصے کے لیے فرانس اور ایران میں معاہدہ ہوا تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ایرانی فوج کی ٹریننگ کی ذمہ داری اس فرانسیسی فوجی مشن کے سربراہ ایک بریگیڈیر جنرل کو دے دی گئی، جو نپولین کی طرف سے شاہ ایران فتح علی شاہ (۱۷۹۷ء - ۱۸۳۴ء) سے ملحق تھا۔ لیکن جب نپولین روس کے خلاف ایران کی مدد کرنے سے قاصر رہا تو فرانس کا فوجی مشن واپس چلا گیا۔

۱۸۰۹ء میں برطانیہ اور ایران کے درمیان تجدید معاہدہ کے بعد ہندوستان سے برطانوی فوجی افسر عباس مرزا کے مشیر بنا کر بھیجے گئے، جن کا سب سے بڑا مقصد ایران کی پیدل فوج اور توپ خانہ کو ٹریننگ دینا تھا۔ اس سلسلے میں جدید اسلحہ اور گولہ بارود بھی برطانیہ کی طرف سے فراہم کیا گیا۔ برطانوی ماہرین نے توپیں اور بارود تیار کرنے کے لیے تبریز میں ایک "فونڈری" بھی

بنائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۱۵ء میں ایران کی اس جدید فوج میں بارہ ہزار پیادہ سپاہی تھے، جو زیادہ تر قبائل سے بھرتی کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ بارہ سو سواروں کا ایک بریگیڈ تھا اور بیس توپوں پر مشتمل ایک توپ خانہ تھا۔ ان توپوں کو گھوڑے کھینچتے تھے۔ ۱۸۱۱ء میں عباس مرزا نے دو اور ۱۸۱۵ء میں مزید پانچ نوجوان ایرانیوں کو تعلیم اور ٹریننگ کے لیے برطانیہ بھیجا۔ ان میں سے ایک کا تو برطانیہ میں انتقال ہوگیا اور باقی سب کے سب سوائے ایک کے، فوج میں بحیثیت ماہرین کے مقرر کیے گئے۔ یہ ایک شاہی طبیب بنا۔ اور بعد میں قومی معاملات میں اس نے بڑی اہمیت حاصل کی۔ مشہور انگریز مصنف جیمز موریر کو اپنی کتاب "حاجی بابا آف اصفہان" کے ہیرو کے لیے ان صاحب کی شخصیت سے بھی تحریک ملی تھی۔ فنی تعلیم کے لیے اس اثنا میں نوجوانوں کو یورپ بھجوانے کا سلسلہ بیس سال کے لیے منقطع ہوگیا، لیکن ۱۸۴۵ء کے بعد پھر یہ سلسلہ شروع ہوا۔ شاہ ایران ناصرالدین شاہ (۱۸۴۸ء - ۱۸۹۶ء) کے مشیر مرزا تقی امیر کبیر نے ۱۸۵۲ء میں ایران میں دارالفنون قائم کیا، جہاں بہت سے یورپی افسر بحیثیت "انسٹرکٹر" رکھے گئے۔ ۱۸۸۵ء تک جب کہ ایک باقاعدہ ملٹری اکیڈمی قائم کی گئی، یہی دارالفنون فوجی افسروں کا سب سے اہم ٹریننگ سکول رہا۔ اس کے سٹاف میں بھی ایک حد تک یورپی افسر ہی تھے۔ ۱۸۹۱ء میں جہاں ملٹری اکیڈمی میں کوئی ڈیڑھ سو کیڈٹ داخل ہوئے، وہاں دارالفنون میں داخل ہونے والوں کی کل تعداد اس سے نصف تھی۔

جدید فوج کے سب سے پہلے دستے ایرانی قازق تھے، جنھیں روسی افسروں نے تربیت دی تھی۔ ان دستوں کی ابتدا ۱۸۷۹ء میں روسی امداد سے ہوئی۔ ۱۹۰۶ء - ۱۹۰۷ء میں ان کے روسی "انسٹرکٹر" ایک کرنل، ایک میجر، دو کیپٹن اور چھ سارجنٹ تھے۔ اور قازقوں کی کل نفری بارہ سو تھی۔ ناصرالدین شاہ کے قتل کے بعد محمد علی شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے جب اس قازق دستے اور چند روسی افسروں کی مدد سے ۱۹۰۶ء کے آئین کو معطل کرنے اور مجلس کو توڑنے کی کوشش کی تو بختیاری قبیلے کے لشکر نے طہران پر دھاوا بول دیا اور شاہ کو تخت سے اتار کر اس کی جگہ اس کے بیٹے احمد شاہ کو بادشاہ بنا دیا (۱۹۰۹ء - ۱۹۲۵ء)۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء) تک جب بھی ضرورت پڑتی تھی، بے قاعدہ قبائلی سواروں کو بھرتی کر لیا جاتا تھا، اور وہ بغیر کسی ڈرل اور

ڈسپلن کے بآسانی قازقوں کے بریگیڈ کو قابو میں رکھ سکتے تھے۔

فوج کی نئی تنظیم کے علاوہ سول افسروں (بیوروکریسی) کی تربیت کے کام کو بھی ہاتھ میں لیا گیا، اور اس کا سہرا مرزا حسین خاں (۱۸۲۶ء-۱۸۸۱ء) کے سر ہے۔ یہ ان پہلے ایرانیوں میں سے ہیں، جنھوں نے خود اپنے صرفہ پر، حکومت سے وظیفہ لے کر نہیں، یورپ میں تعلیم حاصل کی۔ انیسویں صدی کے وسط میں جب ایران میں سفارتی سروس شروع کی گئی تو مرزا حسین خاں اس میں شامل ہوئے وہ بمبئی اور سینٹ پیٹرز برگ (حالیہ لینن گراڈ) میں اپنے سفارتی عہدے پر رہے۔ بعدازاں انھیں استنبول بھیجا گیا۔ اور وہاں موصوف نے تقریباً بارہ سال گزارے۔ ۱۸۷۰ء میں انھیں واپس طہران بلایا گیا اور دو سال بعد ناصرالدین شاہ نے ان کو اپنا وزیراعظم مقرر کیا۔ استنبول کے دوران قیام عثمانی حکومت میں سول سروس کے سلسلہ میں جو اصلاحات انھوں نے دیکھی تھیں، موصوف نے ایران میں بھی ان کو نافذ کرنے کی کوشش کی، لیکن اس میں وہ زیادہ کامیاب نہ ہوئے، کیونکہ استنبول کی طرح طہران میں فوج اور سول سروس کی ٹریننگ کے لیے علیحدہ علیحدہ اکیڈمیوں کا انتظام نہ کیا گیا۔

مراکش

ایران کی طرح مراکش پر فرانسیسی اور اسپینی توسیع پسندی کی زد پڑ رہی تھی۔ ۱۸۴۴ء میں مولائی عبدالرحمٰن (۱۸۲۲ء-۱۸۵۹ء) کو فرانسیسی فوجوں کے ہاتھوں الجزائر میں شکست کھانی پڑی۔ جس پر انھیں اپنی فوج کو جدید طریقے پر منظم کرنے کی ضرورت کا احساس ہوا۔ لیکن اس بارے میں وہ مثبت قدم نہ اٹھا سکے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے محمد چہارم (۱۸۵۹ء-۱۸۷۲ء) نے ۱۸ جولائی ۱۸۶۱ء کو فوج کی تنظیم جدید کا فرمان جاری کیا۔ اور یہ کام فرانسیسی افسروں کے سپرد ہوا۔ یورپی انداز پر "عسکر" یعنی باقاعدہ فوج کے وجود میں آنے سے قبائلی سرداروں کا سیاسی اثر و رسوخ کمزور پڑ گیا۔ اس مراکشی "عسکر" کی وہی حیثیت تھی، جو ایران میں قازق دستے کی تھی۔ یعنی اس کا سب سے اولیں فرض خاندان شاہی کی حفاظت تھا۔

"عسکر" کے ساتھ ساتھ مولائی محمد نے قبائلی فوجیوں کو بھی فوجی بنیادوں پر منظم کرنے کی کوشش کی۔ یہ واقعہ ہے کہ شاہ سواری میں قبائلی فوجی باقاعدہ فوج یعنی "عسکر" سے کہیں

بڑھ کر تھے۔

ایران بے قاعدہ اور غیر منظم قبائلی فوجوں سے پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی کہیں پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہوا۔ اور یہ موجودہ شہنشاہ ایران کے والد رضا شاہ پہلوی کا کارنامہ ہے۔ انھوں نے پوری مستعدی اور یکسوئی سے یہ کام کیا اور ایران کی تمام افواج کو جدید انداز پر منظم کر دیا۔ مراکش میں یہ تجدید ۱۹۵۶ء کے بعد ہی ہو سکی، جب وہ فرانس کی سیادت سے آزاد ہوا۔ فرانس نے اپنے دور سیادت میں یہ کام ضرور کیا کہ قبائل کا زور توڑ دیا، جس کی وجہ سے ۱۹۵۶ء کے بعد مراکشی فوج کو جدید بنانے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔

فنی اور ٹیکنیکل مہارت کا خلا

انیسویں صدی کی ابتدا میں مشرق اوسط کے اسلامی ملکوں میں فوج کی تنظیم جدید یورپی ملکوں کی فوجوں کو بطور نمونہ بنا کر شروع کی گئی تھی، لیکن یورپ کے صنعتی انقلاب نے کچھ عرصے کے بعد وہاں کی فوجوں اور ان کے اسلحہ کی پوری ہیئت ہی بدل دی، اور چونکہ اسلامی ملکوں میں اس صنعتی انقلاب کے کوئی آثار نہ تھے، اس لیے فوجوں کی تجدید و تنظیم میں ان کے قدم آگے نہ بڑھ سکے۔ مثال کے طور پر ۱۸۳۰ء میں محمد علی پاشا یورپی ماہرین کی مدد سے مصر میں توپیں ڈھالنے، بندوقیں بنانے، بارود تیار کرنے بلکہ جنگی جہازوں کی تعمیر کے لیے "ڈاک یارڈ" تک فراہم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اور مصر کے تیار کردہ یہ اسلحہ اور جنگی جہاز اسی اعلیٰ پائے کے تھے جس پائے کے اس وقت یورپ میں تیار ہوتے تھے۔ لیکن انیسویں صدی کے دوسرے نصف سے فوجی صنعتوں میں بڑی سرعت سے اور بہت بڑے پیمانے پر تبدیلیوں کا دور شروع ہو گیا۔ بادبان کی جگہ بھاپ نے لے لی۔ پیغام رسانی کے لیے تار اور فون استعمال ہونے لگے۔ سامان جنگ گھوڑا گاڑیوں اور جانوروں کے بجائے ریل گاڑیوں سے منتقل کیا جانے لگا۔ توپوں اور بندوقوں کی ساخت بدل گئی۔ اور ان میں نئے گولے استعمال کیے جانے لگے۔ جہازوں کی تعمیر میں لکڑی کی جگہ لوہے نے لے لی۔ اور پھر مضبوط سے مضبوط لوہے سے جہاز بننے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک وقت میں جو اسلحہ بنتے تھے، وہ کچھ وقت گزر نے کے بعد بے کار ہو جاتے تھے۔ ان حالات میں مشرق اوسط کے حکمران یہ توقع ہی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ حربی ٹیکنالوجی کی اس دوڑ میں یورپ کے مقابلے میں ٹھہر سکیں گے

بے شک وہ یورپ سے جدید اسلحہ خرید سکتے تھے لیکن ان کے استعمال میں مہارت پیدا کرنا ان کی فوجوں کے لیے آسان نہ تھا۔ باقی خود ان ملکوں میں ان جدید اسلحہ کا بننا تو اس وقت خیال میں بھی نہ آسکتا تھا۔ مختصراً جیسے جیسے یورپ میں اسلحہ کی صنعت اور خود مسلح افواج کی ترتیب و تربیت میں بڑی تیزی سے ترقی ہوتی گئی۔ شرق اوسط کی جدید طرز کی فوجیں یورپی افواج کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ پس ماندہ ہوتی چلی گئیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ یورپ میں پہلے علمی و سائنسی نقطۂ نظر پیدا ہوا جس سے وہاں کی معاشرت میں تبدیلیاں ہوئیں۔ اس کے نتیجے میں پرانے اور فرسودہ طبقوں کا زور ٹوٹا اور ان کی جگہ نئے طبقوں نے لی۔ اس کے بعد یورپ میں صنعتی انقلاب آیا۔ وہاں صنعتیں قائم ہوئیں اور صنعت و حرفت کا فروغ ہوا۔ بعد ازاں جنگی اسلحہ اور فوجی نظم و ترتیب پر صنعتی انقلاب کا اثر پڑا۔ یورپ کی معاشرتی زندگی نے پچھلی چند صدیوں میں یہ مراحل طے کیے۔ اب شرق اوسط کے اسلامی ملکوں نے اپنی فوجوں کو یورپی انداز پر منظم کرنے کی کوشش تو کیں لیکن وہ سماجی تبدیلیاں جو یورپ میں ہو چکی تھیں اور جن کی وجہ سے ہی وہ حرب و ضرب کے فنون اور جنگی اسلحہ میں ترقی کر سکا تھا، ان سے یہ اسلامی ملک محروم رہے۔ ان کی موجودہ کمزوری اور پسماندگی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔

ماخذ:

(1) The Middle East Journal, Sep. 1968. (Washington)

(2) The Awakening of Egypt. M. Rifat Bey (London).

(3) The Beginning of The Egyption Question and The Rise of Mohammad Ali. Shafiq Ghirbal.